29615/183

جناب مفتی صاحب - دارالعلوم کراچی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گزارش یہ ہے کہ میرے والد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے ان کی نمازوں کے فدیہ کی رقم =/120000 یعنی مبلغ ایک لاکھ بیس ہزار روپے بنتی ہے یہ رقم ہم تمام بھائی اپنی اکلوتی بہن کو دینا چاہتا ہے واضح ہو کہ مرحوم نے نمازوں کے فدیہ کی ادائیگی کی وصیت نہیں کی، مرحوم کے صرف سات بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ تمام عاقل بالغ ہیں۔ مرحوم کی بیٹی مستحق اور محتاج ہے اور اسکا شوہر بھی محتاج ہے تو کیا مرحوم کی نمازوں کا فدیہ مرحوم کی اکلوتی بیٹی کو دے سکتے ہیں، نیز یہ رقم مرحوم کی میراث سے ادا کی جائے گی جب کہ تمام ورثاء راضی ہیں اور میراث ابھی تقسیم نہیں ہوئی۔ نیز ہماری والدہ اور مرحوم کے والدین دادا دادی اور نانا نانی کا انتقال انکی حیات میں ہوگیا تھا۔

والسلام

درخواست گذار

عبداللہ ولد عبدالخالق مرحوم

برما کالونی کورنگی کراچی

0321-3803281

دار الافتاء
فتوی نمبر ۳۹/۱۵۱۳
مورخہ

(جواب منسلک ورق پر ملاحظہ فرمائیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب حامداً ومصليا

پہلے یہ بات واضح رہے کہ آپ کے والد مرحوم نے چونکہ فدیۂ نماز کی وصیت نہیں کی ہے اس لئے شرعاً آپ پر اس فدیہ کی ادائیگی لازم نہیں ہے، ایسی صورت میں اولاً بہتر یہی ہے کہ شرعی طریقے کے مطابق مرحوم کا ترکہ تقسیم کردیا جائے اس کے بعد جو جو وارث مرحوم کی نمازوں کا فدیہ ادا کرنا چاہے ادا کرے۔ تاہم اگر ورثاء میں کوئی نابالغ نہ ہو تمام عاقل بالغ ہوں اور مجموعی ترکہ سے فدیہ ادا کرنے پر خوشدلی سے راضی ہوں، کوئی شرما شرمی یا دباؤ نہ ہو تو مرحوم کی طرف سے نمازوں کا فدیہ ادا کرنے سے ان شاء اللہ تلافی کی امید ہے۔

اب یہ سوال کہ مرحوم کی بیٹی کو فدیہ کی یہ رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہ ادائیگی فدیہ کے طور پر کی جارہی ہے اسلئے اس میں فدیہ کی شرائط کا لحاظ رکھنا چاہئے اور فدیہ میت کے اصول و فروع یعنی ماں، باپ اور اولاد کے بجائے دیگر مستحقین کو دینا ضروری ہے۔ اور اس میں بہتر یہ ہے کہ ایک ہی شخص کو ایک سے زائد نمازوں کا فدیہ نہ دیا جائے، بلکہ ہر نماز کا فدیہ الگ الگ مستحق کو دیا جائے نیز ایک نماز کا فدیہ کئی مستحقین میں تقسیم نہ کیا جائے۔ (ماخذہ التبویب: ۵۷/۱۱۶۷)

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) - (2 / 72)

(قوله يعطى) بالبناء للمجهول: أي يعطي عنه وليه: أي من له ولاية التصرف في ماله بوصاية أو وراثة فيلزمه ذلك من الثلث إن أوصى، وإلا فلا يلزم الولي ذلك لأنها عبادة فلا بد فيها من الاختيار، فإذا لم يوص فات الشرط فيسقط في حق أحكام الدنيا للتعذر...ثم اعلم أنه إذا أوصى بفدية الصوم يحكم بالجواز قطعا لأنه منصوص عليه. وأما إذا لم يوص فتطوع بها الوارث فقد قال محمد في الزيادات إنه يجزيه إن شاء الله تعالى، فعلق الإجزاء بالمشيئة لعدم النص، وكذا علقه بالمشيئة فيما إذا أوصى بفدية الصلاة لأنهم ألحقوها بالصوم احتياطا لاحتمال كون النص فيه معلولا بالعجز فتشمل العلة الصلاة وإن لم يكن معلولا تكون الفدية برا مبتدأ يصلح ماحيا للسيئات فكان فيها شبهة كما إذا لم يوص بفدية الصوم فلذا جزم محمد بالأول ولم يجزم بالأخيرين، فعلم أنه إذا لم يوص بفدية الصلاة فالشبهة أقوى

(جاری ہے ---)

دار الافتاء

المبسوط للسرخسي – (3 / 124)

وأما في الصلاة فلم يطلق الجواب في شيء من الكتب على الفدية مكان الصلاة، ولكن قال: في موضع من الزيادات يجزيه ذلك إن شاء الله تعالى فبتقييده بالاستثناء بيان أنه لا يثبت الجواب فيه إذ لا مدخل للقياس فيه

فتح القدير للكمال ابن الهمام – (2 / 359)

(قوله والصلاة كالصوم باستحسان المشايخ) وجهه: أن المماثلة قد ثبتت شرعا بين الصوم والإطعام والمماثلة بين الصلاة والصوم ثابتة، ومثل مثل الشيء جاز أن يكون مثلا لذلك الشيء وعلى تقدير ذلك يجب الإطعام، وعلى تقدير عدمها لا يجب، فالاحتياط في الإيجاب، فإن كان الواقع ثبوت المماثلة حصل المقصود الذي هو السقوط وإلا كان برا مبتدأ يصلح ماحيا للسيئات، ولذا قال محمد فيه يجزيه إن شاء الله تعالى من غير جزم كما قال في تبرع الوارث بالإطعام، بخلاف إيصائه به عن الصوم فإنه جزم بالإجزاء.

حاشية ابن عابدين (رد المحتار) – (2 / 425)

(قوله إن شاء الله) قيد المشيئة لا ترجع للجواز بل للقبول كسائر العبادات وليس كذلك، فقد جزم محمد – رحمه الله – في فدية الشيخ الكبير وعلق بالمشيئة فيمن ألحق به كمن أفطر بعذر أو غيره حتى صار فانيا، وكذا من مات وعليه قضاء رمضان وقد أفطر بعذر إلا أنه فرط في القضاء وإنما علق لأن النص لم يرد بهذا كما قاله الأتقاني، وكذا علق في فدية الصلاة لذلك

واللہ اعلم بالصواب

جنید احمد خان

دارالافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

١٦/ ربیع الثانی ١٤٣٤ھ

٢٧/ فروری ٢٠١٣ء

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح

الجواب صحیح